پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اِسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اِسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

(فرمودہ ۴؍ جولائی ۱۹۴۸ء ٹاؤن ہال کوئٹہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سب سے پہلے تو مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی چیز کا حصول ایک علیحدہ امر ہے اور اس چیز کے حاصل ہو جانے کے بعد اسے قائم رکھنا بالکل علیحدہ بات ہے۔ ایسے واقعات تو دنیا میں کثرت کے ساتھ مل جائیں گے کہ کسی شخص کو کوئی چیز آپ ہی آپ مل گئی ہو مگر اس امر کی کوئی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ کوئی چیز آپ ہی آپ قائم رہی ہو۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر مہربان ہو کر اسے مکان دے دے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے کہیں سے روپوں کی تھیلی مل جائے یا اسے نوٹوں کا بنڈل کسی جگہ سے مل جائے مگر یہ مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گی کہ کوئی شخص اپنے مکان کی مرمت کا خیال تک نہ کرے اور اس کی صفائی کی طرف توجہ نہ کرے اور اتفاقی طور پر وہ مکان آپ ہی آپ صحیح اور درست حالت میں چلتا چلا جائے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو اتفاقی طور پر روپوں کی کوئی تھیلی مل جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ اتفاقی طور پر وہ آپ ہی آپ خرچ ہوتی رہے۔ اسی طرح زمین آپ ہی آپ مل سکتی ہے، جائیداد آپ ہی آپ مل سکتی ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ زمین یا جائیداد بغیر ہماری توجہ کے آپ ہی آپ قائم رہے یہی حال پاکستان کا ہے۔ پاکستان کا حصول اور پاکستان کے قیام کا سوال دونوں علیحدہ علیحدہ امر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے حصول کیلئے قربانیاں کی تھیں وہ بھی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ پاکستان

اتنی جلدی اور ایسی صورت میں مل پائے گا۔ ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایک گروہ نے اس غرض کیلئے بڑی بھاری قربانیاں کی ہیں اور بہت بڑی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑا ہے۔ مگر ہم اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جس رنگ میں پاکستان ملا ہے اس میں صرف انسانی کوششوں کا دخل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جس نے ان کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

اب ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیسا ہو۔ اگر کسی کو کوئی اچھی عمارت مل جائے اور وہ اسے اپنی عدمِ توجہ سے بگاڑ دے تو دنیا اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی بلکہ اگر اس عمارت کو وہ اس حالت میں رہنے دے جس حالت میں وہ عمارت اُسے ملی تھی تب بھی وہ تعریف کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ تعریف کے قابل وہ تب سمجھا جاتا ہے جب وہ اسے پہلے سے بہت اچھی حالت میں چھوڑ جائے۔ پس ہمیں اس سوال پر غور کرتے ہوئے کہ پاکستان کا مستقبل کس طرح اچھا بنایا جا سکتا ہے یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اصل مقابلہ اُسی وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ سکیم بنائے کہ میں اس اس طرح تجارت کروں گا اور میرے پاس لاکھوں روپیہ جمع ہو جائے گا تو محض شیخ چلی جیسے خیالات پیدا ہونے کی وجہ سے ڈاکو اس کے گھر پر حملہ نہیں کر دیں گے لیکن اگر وہ اپنی سکیموں میں کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد بے شک اسے خطرہ پیدا ہوگا کہ کہیں ڈاکو میرے گھر کو نہ لُوٹ لیں۔ پاکستان کا بھی جب تک قیام نہیں ہوا تھا اس کی مخالفت کا صحیح طور پر جذبہ پاکستان کے مخالفوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوا تھا جس طرح کسی شخص کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کا خیال لوگوں کو نہیں آ سکتا جس نے ابھی تک اپنی کسی سکیم کو چلایا ہی نہ ہو۔ جب تک پاکستان قائم نہیں ہوا تھا دشمن سمجھتا تھا کہ پاکستان کا خیال مجنونوں کی ایک بڑ ہے اور گو ایک حصہ مخالفت بھی کرتا تھا مگر بعض لوگ اس وجہ سے مخالفت نہیں کرتے تھے کہ جو چیز ابھی بنی ہی نہیں اس کی ہم مخالفت کیوں کریں یا کم سے کم وہ شدید مخالفت نہیں کرتے تھے لیکن جب پاکستان وجود میں آ گیا تو جو اس کے مخالف تھے اور پاکستان کے قیام میں اپنی سکیموں کی تباہی دیکھ رہے تھے، ان کی مخالفت کا جذبہ بھڑک اُٹھا اور اُنہوں نے سمجھا کہ اب ہمیں اس کو مٹانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن

جہاں ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی چیز کے حصول کے بعد مخالفت بڑھ جاتی ہے، وہاں دوسری طرف ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ جب کوئی چیز مل جاتی ہے تو بسا اوقات اس چیز کو حاصل کرنے والے کے دل سے اس کی عظمت مٹ جاتی ہے اور وہ اس چیز کو کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں کثرت کے ساتھ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُنہوں نے سرتوڑ کوششیں کیں مگر جب مقصد حاصل ہو گیا تو مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اس طرح وہ چیز جس کے حصول کے لئے اُنہوں نے سالہا سال قربانیاں کی تھیں اسے اپنی غفلت سے ضائع کر بیٹھے۔

آج سے تیس سال پہلے جب بلقان کی ریاستوں اور ٹرکی کی آپس میں جنگ ہوئی تو بلقانی ریاستیں جیت گئیں اور ٹرکی شکست کھا گیا مگر جب اسے شکست ہوگئی تو بلقانی ریاستوں میں مال بانٹنے پر آپس میں لڑائی شروع ہوگئی اور وہی لوگ جو پہلے متحد ہو کر ٹرکی کے مقابلہ میں صف آراء تھے آپس میں لڑنے لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کئی علاقے ٹرکی کو واپس کرنے پڑے۔ غرض دنیا میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ جب تک جنگ جاری رہی لوگ قربانیاں کرتے رہے مگر جب کامیابی ہوگئی تو انہیں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور وہ اتحاد و یک جہتی سے رہنے کی بجائے متفرق ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز آ چکی تھی وہ بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک خطرہ سامنے ہوتا ہے لوگوں کے دلوں میں بہت جوش ہوتا ہے لیکن جب خطرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں حالانکہ خطرہ بدستور موجود ہوتا ہے۔ بیمار کی حالت جب تک خراب ہوتی ہے تیماردار بھی اور ڈاکٹر بھی بڑی توجہ سے علاج کرتے رہتے ہیں لیکن بسا اوقات جب بیمار کی طبیعت سنبھالا لیتی ہے تو ڈاکٹر بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اسے آرام آ رہا ہے اور تیماردار بھی اس خیال سے کہ اب تو اسے افاقہ ہے اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں یا تھکے ہوئے ہوں تو لیٹ جاتے ہیں مگر اس دوران میں مریض کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہیں خطرات ان کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور وہ سستی اور غفلت کا شکار ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

دشمن ہوشیار ہو کر فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔ پاکستان کی حالت بھی اس وقت ایسی ہی ہے۔ پاکستان نام ہے اس ملک کے ایک ٹکڑے کا جسے پہلے ہندوستان کہا جاتا تھا اور یہ سیدھی بات ہے کہ جب کسی کا کوئی عضو کاٹا جائے گا تو وہ خوش نہیں ہوگا بلکہ اس میں شدید طور پر منافرت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ کون شخص یہ خیال بھی کرسکتا ہے کہ کسی کا ناک کاٹ دیا جائے یا کان کاٹ دیا جائے تو وہ اطمینان سے بیٹھا رہے گا اور کہے گا جَزَاکُمُ اللّٰہُ تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جب بھی ہم کسی کے جسم کا کوئی عضو کاٹیں گے وہ ضرور تلملائے گا بلکہ اگر عضو کاٹنے کے بعد وہ زندہ رہے گا تو اس موقع کی تلاش میں رہے گا کہ میں دوسرے کو تباہ کر دوں۔ اگر تو وہ شخص مر جاتا ہے تب بے شک ہمیں اطمینان ہوسکتا ہے کہ جس شخص کا ہم نے ناک یا کان کاٹا تھا وہ مر چکا ہے اب وہ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا لیکن اگر وہ زندہ ہے تو لازماً ہر وقت اس کے دل میں اشتعال پیدا ہوتا رہے گا اور وہ خواہش رکھے گا کہ میں اس شخص سے بدلہ لوں جس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔

بعض فتوحات بے شک ایسی ہوتی ہیں جن میں مفتوحہ قومیں بالکل مٹ جاتی ہیں ایسی فتوحات میں دشمن کی طرف سے مقابلہ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے بعد مسلمانوں نے مصر پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد کوئی مصری حکومت دنیا میں نہیں رہی تھی جس میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا۔ اسی طرح مسلمانوں نے جب فلسطین فتح کیا تو فلسطین میں کوئی ایسی حکومت نہیں رہی تھی جو مسلمانوں کے خلاف جذباتِ انتقام لے کر کھڑی ہوسکتی۔ یا جب مسلمانوں نے شام فتح کیا یا عراق فتح کیا تو شام اور عراق میں کوئی ایسی حکومت نہیں رہی تھی جو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات رکھتی لیکن ایران اور روم سارے کے سارے فتح نہیں ہوئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جب آئندہ خرابی پیدا ہوئی تو وہ شام میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا، وہ مصر میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا وہ عراق میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا بلکہ وہ ایران اور روم میں پیدا ہوئی کیونکہ وہاں ایسی قومیں موجود تھیں جن کے عضو کاٹے گئے تھے۔ یہی حالت ہماری ہے پاکستان کوئی نیا ملک نہیں بلکہ ایک مُلک کا ٹکڑا کاٹ کر اس کا نام پاکستان رکھ دیا گیا ہے۔

جس ملک کا یہ ٹکڑا ہے وہ ملک زندہ ہے۔ اگر سارے ملک کا نام پاکستان ہوتا تو خطرہ کی کوئی صورت نہیں تھی مگر اب تین چوتھائی سے زیادہ حصہ زندہ موجود ہے اور ۱/۴ کو کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔

پس پاکستان کے قیام سے خطرات دور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ہمارا ہمسایہ سمجھتا ہے کہ اسے پاکستان کے قیام سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے تھے انہوں نے مسلمانوں میں جذبۂ انتقام اتنا شدید طور پر پیدا کر دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی طاقت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ درحقیقت دنیا میں دو ہی چیزیں طاقت اور قوت کو بڑھاتی ہیں۔ جذبۂ محبت یا جذبۂ انتقام۔ مائیں جذبۂ محبت کی وجہ سے بعض دفعہ ایسے ایسے کام کر جاتی ہیں جو عام حالات میں بالکل ناممکن نظر آتے ہیں اسی طرح جب کسی کو شدید صدمہ پہنچتا ہے تب بھی اس کے انتقام کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے اسی وجہ سے محبت اور انتقام کے جذبہ کو جنون کہتے ہیں کیونکہ جنون کی حالت میں مجنون کی طاقتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب بدر کی جنگ ہوئی تو مسلمانوں کی طرف سے صرف تین سَو تیرہ آدمی اس جنگ میں شریک تھے اور وہ بھی بالکل بے سروسامان اور ناتجربہ کار۔ لیکن دشمن کا ایک ہزار سپاہی تھا اور وہ سارے کا سارا تجربہ کار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل نے ایک عرب سردار کو بھجوایا اور اسے کہا کہ تم یہ اندازہ کر کے آؤ کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ واپس گیا تو اس نے کہا میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمان تین سَو یا تین سَو پچیس کے قریب ہیں۔ ابوجہل اس پر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا ہم نے تو میدان مار لیا۔ اس نے کہا اے میری قوم! بے شک مسلمان تھوڑے ہیں لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو کیونکہ اے میری قوم! میں نے اونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں یعنی میں نے جس شخص کو بھی دیکھا اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ آج میں نے مر جانا ہے یا مار دینا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جذبہ ان کے دلوں میں نہیں پایا جاتا[1] گویا اس جذبۂ انتقام نے مسلمانوں کو ایسی طاقت دے دی کہ ایک شدید ترین دشمن اسلام نے بھی ان کے چہروں سے

پڑھ لیا کہ اب وہ اس میدان سے واپس نہیں لوٹیں گے سوائے اس کے کہ وہ کامیابی حاصل کر لیں یا اسی جگہ لڑتے ہوئے جان دے دیں۔ جب یہ جذبات کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ اسے عام سطح سے بہت اونچا کر دیتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ انتقام کا جذبہ صرف نقصان پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ احساس نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ ایک شخص کے اگر دس روپے کوئی شخص چرا کر لے جائے اور اسے محسوس بھی نہ ہو تو اس کے اندر کوئی جذبۂ انتقام پیدا نہیں ہوگا لیکن دوسرے شخص کا اگر صرف ایک روپیہ کوئی شخص چرا لیتا ہے اور اسے اس کی چوری کا احساس ہوتا ہے تو اس کے اندر یقیناً جذبۂ انتقام پیدا ہو جائے گا۔ پس جذبات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بلکہ احساسِ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم کو شدید سے شدید نقصان بھی پہنچا ہے لیکن ہمیں اس نقصان کا احساس نہیں تو محض نقصان اس بات کی دلیل نہیں ہوگا کہ ہمارے اندر جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا ہے۔ یہی حال محبت کا ہے وہ بھی احساس پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک حبشی کو اپنا کالا کلوٹا بچہ ہی خوبصورت نظر آتا ہے حالانکہ دوسرے کی نگاہ میں وہ بدصورت ہوتا ہے۔ غرض انتقام کا جذبہ یا محبت کا جذبہ دونوں احساس پر مبنی ہوتے ہیں۔ جتنے احساسات تیز ہوں اُتنا ہی یہ جذبہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور جتنے احساسات کم ہوں اتنا ہی اس جذبہ کا فقدان ہوتا ہے۔ پس ہمیں صرف اپنے نقصان کا ہی نہیں بلکہ احساسِ نقصان کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اسی طرح ہمیں دوسرے فریق کے نقصان اور اس کے احساسِ نقصان کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اگر اس کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو درحقیقت وہ صحیح فیصلہ نہیں کہلا سکتا۔

دوسری چیز جو پاکستان کے مستقبل کے متعلق ہمیں ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ پاکستان کا مستقبل محض اسلام کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ ہماری تہذیب الگ ہے اور ہندو تہذیب الگ۔ جب مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا اُس وقت پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے ایک مضمون لکھا تھا کہ بتاؤ تمہاری کونسی تہذیب ہے جو ہندوستانی تہذیب سے الگ ہے۔ ہم اُس وقت کہہ سکتے تھے کہ یہ چیز عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ عمل کا موقع آئے گا تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ

ہماری تہذیب کونسی ہے مگر اب جبکہ ہمیں اس تہذیب کو قائم کرنے کا موقع مل گیا ہے، پنڈت نہرو اور ان کے ساتھی اگر ہم سے یہ سوال کریں کہ وہ کونسی تہذیب ہے جس کے لئے تم نے پاکستان مانگا تھا تو یقیناً وہ اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہوں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس تہذیب کے بچانے کا ہم دعویٰ کر رہے تھے وہ ایرانی نہیں تھی، نہ وہ پٹھانی، بلوچی، سندھی، پنجابی یا بنگالی تہذیب تھی کیونکہ نہ ہم سارے ایرانی تھے، نہ ہم سارے پٹھان تھے، نہ ہم سارے بلوچی تھے، نہ ہم سارے سندھی تھے، نہ ہم سارے پنجابی تھے اور نہ ہم سارے بنگالی تھے۔ پھر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے ہم سب لڑ رہے تھے یقیناً اسلام ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہم سب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے اور اسلامی تہذیب ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے قیام کا ہم میں سے ہر شخص خواہشمند تھا۔ اس تہذیب کے قیام کے لئے ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ اب جب کہ علیحدگی ہو چکی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے وہ غرض پوری کر لی ہے جس کے لئے ہم نے علیحدگی طلب کی تھی۔ اگر ہم نے اس غرض کو پورا نہیں کیا تو دنیا ہمیں کہے گی کہ تم نے غلط دعویٰ کیا تھا درحقیقت تم اپنی ذاتی حکومت چاہتے تھے مگر ناواقف لوگوں میں جوش پیدا کرنے کیلئے تم نے اسلامی تہذیب کے نام سے شور مچا دیا۔ مختصر لفظوں میں میں یوں سمجھتا ہوں کہ ہماری لڑائی اس لئے نہیں تھی کہ ہم اپنے لئے گھر مانگتے تھے بلکہ ہماری لڑائی اس لئے تھی کہ اس ملک میں ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا، ہم ایک زمین چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کہا جا سکے۔ ہم ایک مُلک چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مُلک کہا جا سکے۔ ہم ایک حکومت چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کہا جا سکے اور یہی اصل محرک پاکستان کے مطالبہ کا تھا۔ پس انفرادی اور قومی زندگی میں اسلام کو داخل کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو یقیناً ہم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں سمجھے جا سکتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم نے ساری دنیا میں اسلام کو قائم کرنا ہے اور ساری دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ پس پاکستان اس منزل کے حصول کیلئے یقیناً ایک قدم تو ہے مگر بہرحال وہ ایک اینٹ ہے اس عمارت کی جو ہم نے ساری دنیا میں قائم کرنی ہے اور ہمارا

فرض ہے کہ ہم اس عظیم الشان مقصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے جس قدر بھی قربانیاں کرسکیں، ان سے کبھی دریغ نہ کریں۔

(الفضل ربوہ ۲۳؍ مارچ ۱۹۵۶ء)

۱؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء